

فلسفہ خودی کائنات کا آخری فلسفہ ہے

حکمتِ اقبال کی یہی خصوصیات ہیں جو اسے کائنات کا وہ آخری فلسفہ بنا دیتی ہیں جو ہر دور کے باطل فلسفوں کا مُکنت اور تسلی بخش جواب ہو۔ شاہ ولی اللہ اور محی الدین ابن عربی کے زمانہ میں اس قسم کے فلسفہ کا وجود ہی ناممکن نہیں تھا۔ آج اگر مسلمان یا کوئی اور قوم جدلی مادیات (DIALECTICAL MATERIALISM) کا معقول علمی جواب دینا چاہے جسے دورِ حاضر کا انسان بھی سمجھ سکے تو وہ صرف اقبال کے نظامِ حکمت سے ہی پیدا کیا جاسکتا ہے۔ کسی اور فلسفہ سے پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ انسان اور کائنات کی سچی حقیقت کو سمجھنے کے لیے جس قسم کی ذہنی کاوشیں کسی زمانہ میں پیدا ہوتی ہیں قدرت ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے علاج بھی دلیسا ہی پیدا کرتی ہے۔ اقبال کا فلسفہ خودی اپنے مزاج کے لحاظ سے اپنے دور کے فلسفوں کی تمام ظاہری خصوصیات سے حصہ لیتا ہے تاکہ ان کا تسلی بخش جواب بن سکے۔ شاہ ولی اللہ اور محی الدین ابن عربی ایسے اکابر کے فلسفے اپنے زمانہ کے باطل فلسفوں کا جواب تھے۔ لیکن اس زمانہ کے یا آنے والے زمانہ کے باطل فلسفوں کا جواب نہیں اور نہ بتائے جاسکتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کے اسلامی تصور پر مبنی ہونے کے باوجود وہ جدید علمی حقائق کی عقلی اور منطقی حد و حد کے کسی نکتہ پر بھی نہ ان سے اتصال پیدا کرتے ہیں اور نہ ٹکراتے ہیں لہذا ان میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ ایک ایسے جدید نظامِ حکمت کی صورت اختیار کر سکیں جو عقلی اور منطقی طور پر مسلسل ہو اور جس میں حال اور مستقبل کے تمام علمی حقائق سموئے جاسکیں۔ اقبال کے علاوہ دوسرے تمام مسلمان فلسفیوں کے فلسفے، فلسفہ اسلام کے ارتقاء کے وہ مراحل ہیں جو گزر چکے ہیں اقبال کا فلسفہ ان تمام مراحل سے آگے کا فلسفہ ہے جو گزشتہ مراحل کے تمام حاصلات کو بھی اپنے اندر جمع کرتا ہے لیکن اب گزشتہ مرحلوں میں سے کوئی مرحلہ اس کو ہٹا کر اس کی جگہ نہیں لے سکتا کیونکہ ان میں کوئی فلسفہ ایسا نہیں جو اپنے اندر دینی استدلال کو وسعت دے کر ایک جدید انسانی اور اجتماعی فلسفہ بن سکے اور آئندہ عالمگیر ریاست کو اپنے سیاسی یا اقتصادی یا اخلاقی یا تعلیمی یا قانونی یا معاشرتی یا اطلاعی نظام کے لیے قابلِ فہم علمی تصورات بہم پہنچا سکے۔ یہ نکتہ نہایت ہی اہم ہے اور

جس قدر جلد اس پر ہم حاوی ہو جائیں ہمارے لیے اتنا ہی اچھا ہوگا۔ کیونکہ اتنا ہی ہم اپنی قوتوں کو اور فلسفوں کی جستجو یا نشر و اشاعت پر صرف کرنے کی بجائے اس فلسفہ کی تفہیم اور نشر و اشاعت کے لیے آزاد کر سکیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ ہمیں قدیم اسلامی فلسفوں کا بھی مکمل مطالعہ کرنا چاہیے لیکن اس لیے کہ دیکھا جائے کہ ان کے اندر کون سے تصورات ایسے ہیں جن کے مضمرات یا نتائج جدید فلسفہ اسلام یعنی فلسفہ خودی کی تنظیم اور ترتیب کے خلاؤں کو پُر کرنے کے لیے عمدہ اور دل نشین طرز بیان ہیا کر سکتے ہیں لیکن ضروری ہے کہ ہم ان قدیم فلسفوں کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ مستقبل میں پوری نوع انسانی کو اپنے دامن میں لینے والا اور زندگی کے نظری اور عملی پہلوؤں کے لیے پوری روشنی پہنچانے والا فلسفہ اسلام صرف ایک ہی ہے اور وہ فلسفہ خودی ہے یہی وہ حقیقت ہے جس کی بنا پر اقبال کو یہ کہنا زیب دیتا ہے:

ہیج کس راز سے کہ می گوئم نہ گفت
ہیجو فکر من در معنی نہ سفت
(جاری ہے)



ڈاکٹر اسرار احمد

نے اپنی دوسری دینی اور علمی خدمات کیساتھ ساتھ شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں

ایک اصلاحی تحریک

بھی برپا کی اور — خطبہ نکاح — کو صرف ایک رسم

کی بجائے واقعی تذکیر و نصیحت اور معاشرتی زندگی سے متعلق اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کا ذریعہ بنایا
اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی ایک اہم تحریر اور ایک خطبہ نکاح کو دیدہ زیب کتاب کی صورت پیش کش کر دیا گیا ہے۔
بڑے سائز کے ۴۸ صفحات ○ عمدہ دبیز کاغذ ○ دیدہ زیب کور ،

ہیہ : ۴ روپے ————— محصول ڈاک علاؤ

مؤلف : ڈاکٹر محمد رفیع الدین
مترجم : ڈاکٹر ابصار احمد

منشور اسلام

(۶)

کامل ترین ریاست کی واحد بنیاد صحیح نصب العین ہے

جب محمولہ بالا اوصاف سے منصف افراد مل جل کر ایک اجتماعیت یا ریاست تشکیل دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ایسا ہونا لازمی امر ہے، تو ان کا بحیثیت اجتماع رویہ اور کردار صحیح صائب اور درست ہوتا ہے۔ ایسی ہیئت اجتماعیہ یا ریاست اس قابل ہوتی ہے کہ وہ اپنی خارجی و عملی زندگی کے تمام مظاہر میں، حسن، خوبی اور صداقت کی اقدار اعلیٰ کو مسلسل جامعیت اور توازن کے ساتھ اپنائے عالم کے سامنے پیش کر سکے۔ جوں جوں وقت گزرتا ہے یہ اقدار اس ریاست کے بانیوں کی سیاسی، سماجی، معاشی، اخلاقی، قانونی، تعلیمی، ذرائع ابلاغ عامہ نظری و فکری زندگی، عسکری طور طریق غرضیکہ زندگی کے ہر گوشے میں نمایاں سے نمایاں تر ہوتی چلی جاتی ہیں۔ ایسی ریاست میں معاشی، اخلاقی، سماجی اور سیاسی ناہمواریوں اور انصافیوں کی کوئی رقم باقی نہیں رہتی۔ ایسے معاشرے کے افراد خود بھی حریت اور مساوات کی نعمتوں سے بدرجہ اتم مستفید ہوتے ہیں اور انہیں دوسرے معاشروں کو پیش کرنے کے لیے بھی تیار رہتے ہیں۔ وہ ان تمام بیرونی عناصر کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہتے ہیں جو ان کی آزادی و حریت پر ڈاکہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ مثال کے طور پر اس ہیئت اجتماعیہ یا ریاست میں ایسے کوئی قانون نہیں ہوتا جو اس کے شہریوں کو ان کی مرضی کے خلاف چلنے کو کہیں اور ایسے کوئی سماجی یا تعلیمی اثرات نہیں ہوتے جو بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کی فطرت سلیم کے خلاف ہوں جیسے جیسے یہ شہری اپنے اعلیٰ نصب العین کی صحیح پہچان اور محبت اور اس کے لیے جذبہ خدمت حاصل کرتے چلے جاتے ہیں اور اس کے زیر اثر ان کی باہمی محبت و اُلفت بھی بڑھتی جاتی ہے، ریاست اسی طور پر داخلی استحکام و تنظیم اور قوت و جذبہ عمل میں اعلیٰ ترین درجہ

حاصل کرتی چلی جاتی ہے۔ نتیجتاً یہ کامل ترین، اور خوشحال و پُر مسرت افراد کی اجتماعیت کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور اس طرح یہ ایک ایسی کامل ریاست کا نمونہ پیش کرتی ہے جو ہر قابل تصور بُرائی و نقص سے پاک اور ہر خوبی و کمال سے مُتصف ہو۔ ان کے نظریہ حیات کی ماہیت ان کے پیہم پُر مسرت اور رُوبہ ترقی و جود کی ضمانت ہے۔ گویا اعلیٰ ترین اجتماعی وجود ان کے معنی برصاقت فلسفہ حیات کا نتیجہ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ
الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ
الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝ خُنْ أَوْلِيَئُكُمْ فِي الْحَيَاةِ
الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيهَا مَا كَشْتُمُوهَا
أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ ۝ حَمْدُ الْعَبْدَةِ: (۳۱، ۳۲)

یقیناً جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے، ان پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے) کہ نہ خوف کرو اور نہ غمناک ہو اور بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے خوشی مناؤ۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست تھے اور آخرت میں بھی (تمہارے رفیق ہیں) اور وہاں جس (نعمت) کو تمہارا راجی چاہے قائم کو ملے گی اور جو چیز طلب کرو گے تمہارے لیے موجود ہوگی۔

یہ نظریہ حیات اس بات کی کامل ضمانت دیتا ہے کہ یہ افراد دشمنوں کے عزائم کے علی الرغم نہ صرف اپنا وجود مسلسل برقرار رکھیں گے بلکہ دنیا میں ہر اعتبار سے ترقی کریں گے اور پہلے پھولیں گے۔ لہٰذا آیت قرآنیہ۔

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ
أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۝ تُؤْتِي أُكْلَهَا
كُلَّ حِينٍ ۚ بِإِذْنِ رَبِّهَا ط (ابراہیم: ۲۴، ۲۵)

اللہ (تعالیٰ) نے پاکیزہ بات کی مثال بیان فرمائی ہے جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ مضبوط ہو اور شاخیں آسمان میں۔ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل دے رہا ہو۔

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ
الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ج (ابراہیم: ۲۴)

ایمان لانے والوں کو اللہ ایک قول ثابت کی بنیاد پر دنیا و آخرت، دونوں میں ثبات عطا کرتا ہے
فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ
بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا ط (البقرة: ۲۵۶)
پس جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایک ایسا
مضبوط سہارا تمام لیا، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔

صحیح نصب العین پر تشکیل شدہ ریاست ہی مخالفانہ نظر باتی جنگ و جدال سے نبرد آزما ہو سکتی ہے

حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا اسلامی ریاست اگر صحیح خطوط پر واقعاً شکل ہے تو اسے
رفتہ رفتہ چار دانگ عالم میں پھیل جانا چاہیئے اور پوری انسانیت کو اپنے دامن میں سمیٹ
لینا چاہیئے۔ نظریہ حیات کی باہمی مناقشت میں اسلامی نظریہ حیات کی آخری اور مکمل
کامیابی مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر ہے۔

ا۔ اس ریاست کی شہریت محدود نہیں ہے یعنی کسی خاص خطے، نسل، زبان یا رنگ
سے مختص نہیں ہے، بلکہ اس کی شہریت دنیا کے ان تمام لوگوں کے لیے کھلی ہے
جو صحیح نصب العین سے محبت کرتے ہیں اور اس کے لیے جذبہ کار رکھتے ہیں۔

ب۔ چونکہ اس مہیت اجتماعیہ کا نصب العین ہر قسم کی نظری و عملی غرابیوں سے پاک ہے
اس لیے اسی کو دنیا میں برتر اور فاتح حیثیت حاصل ہو سکتی ہے۔ غلط اور مبہم برکذب
نظریات حیات اپنی داخلی کمزوریوں اور تضادات کی وجہ سے کہیں بھی قائم نہیں رہ
سکتے اور بالآخر ناکامی ان کا مقدر بنتی ہے۔

ج۔ اس ریاست کے جملہ شہریوں کے عمومی اخلاق اتنے بلند اور ان کی شخصیات اتنی
مربوط ہوتی ہیں کہ سبھی صفات ان کی افواج کے سپاہیوں میں بھی پائی جاتی ہیں اور

ان کی ہمت و عظمت ہمیشہ بلند رہتی ہے۔

۵۔ اس کا نصب العین انسانیت کے ہر دم ارتقا پذیر فلسفیانہ اور سائنسی علم سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے نظریہ حیات کو زیادہ یقین آور، منظم اور سائنسی انداز پر استوار کرنا ہے چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ یہ ریاست ہتھیاروں اور آلات حرب کے ذریعے نہیں بلکہ اپنے بنیادی تصورات کی قوت کی بنا پر عالمی فتح حاصل کرے گی۔ اس کی فتح انسانیت کے لیے انتہائی مسرت اور اطمینان کا باعث ہوگی کیونکہ یہ اقوام عالم کے درمیان پیکار اور جنگ و جدل کا مکمل طور پر خاتمہ کر کے انہیں ایک مضبوط وحدت میں باندھ دے گی۔ اسلامی ریاست کی کامیابی اللہ کی زمین پر نہ صرف دیرپا امن و آشتی کا باعث ہوگی بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں انسانی ارتقاء کے اعلیٰ ترین اہداف کا حصول بھی ممکن بنائے گی۔

صحیح نصب العین کیونکر انفرادی اور اجتماعی کمال پر منتج ہوتا ہے

یہاں سوال کیا جاسکتا ہے کہ صحیح نصب العین کا تعین کیسے فرد اور اجتماع کو یکسر بدل دیتا ہے اور انہیں کمال اور اعلیٰ ترین سطح پر لے آتا ہے؟ دراصل حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی بھی صحیح نصب العین کو اپنے فکر و عمل میں اختیار کرتا ہے تو وہ خود بخود یا بالفاظ دیگر اپنے نصب العین کی قوت سے اس بات پر مجبور ہوتا ہے کہ وہ اس طور عمل کرے جو اس کی داخلی بالیدگی کی ضمانت دے۔ اور یہی چیز خارج میں اپنے خالق حقیقی کے ساتھ محبت و تعلق کے اظہار کا سبب بن کر اس نعم کی صفات حسن یعنی حسن و کمال کی جامع ترین معروضی صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور یوں صحیح نصب العین انفرادی اور اجتماعی سطح پر یکمل ترین وجود کا باعث بنتا ہے۔

ایمان، محبت، خود آگاہی، خود شعوری یا معرفت خالق

جس لمحے ہی ایک شخص انبیاء کرام کی دعوت حق پر لبیک کہتا ہے اور اعلیٰ کو اس الٰہی اعلان کرتا ہے کہ صحیح نصب العین ہی اس کی فطرت کا اعلیٰ ترین نصب العین اور ہدف ہے

وہ اپنے خالقِ حقیقی کے مکمل حسن و خوبی کا ادراک حاصل کر لیتا ہے اور دوسرے تمام باطل نصب العینوں میں حسن و خوبی کی غیر موجودگی بھی اس پر واضح ہو جاتی ہے۔ حسن ازلی کی چمک پہلی بار اس کے حیط بصیرت میں آتی ہے اور خالقِ حقیقی سے محبت کا جذبہ پہلی بار اس کے سینے میں موجزن ہوتا ہے۔ معرفتِ خداوندی بھی پہلی بار صحیح طور پر اس پر آشکارا ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ کے وجود و صفات کی نوعیت کیا ہے اور اس نعم کا تعلق اس کی زندگی سے کیا ہے! اور صحیح خود شناسی بھی اسے پہلی بار نصیب ہوتی ہے۔ اس کا مطلوب حقیقی کیا ہے اور اس کی زندگی کا اصل طرح نظر اور مقصد کیا ہے! چنانچہ اس کا اعتقاد اس کے جذبہ محبت اور معرفتِ خودی و خدا کے مترادف ہے۔ بالفاظِ دیگر اس کا ایمان، خود شناسی اور خالقِ حقیقی کی معرفت اور اس نعم کے عشق کے ہم معنی ہے۔ ازالہ بعدیہ صادق جذبہ محبت اگر صحیح خطوط پر پروان چڑھتا رہے اور اس کی مسلسل نگہداشت کی جائے تو یہ پیہم مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جاتا ہے اور اپنی خودی کے اعلیٰ ترین ارتقا کا باعث بنتا ہے۔ اس لفظِ عروج پر انسانی خودی انبساط، اطمینان، خود اعتمادی اور خود انضباطی کی وہ اعلیٰ ترین سطح حاصل کر لیتی ہے جس کی یہ اہل حق اس کا جذبہ محبت جوں جوں بڑھتا اور خالص تر ہوتا جاتا ہے۔ اس کا اعتقاد بھی اتنا ہی گہرا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور اس کی معرفتِ خداوندی اور علم ذات بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس کی کیفیت انبساط، خود انضباطی اور خود اعتمادی میں بھی اسی قدر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ جذبہ محبت (عشق) کو اگر پورے طور پر اور مسلسل اظہار کا موقع نہ دیا جائے تو اس کے ثمرات حاصل نہیں ہوتے اور اگر کوئی منہ زور نفسانی خواہش اُبھر کر اس کا رخ غیر فطری سمت میں موڑ دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس جذبہ کی صحیح طور پر نگہداشت نہیں کی جا رہی۔ ہم آئندہ صفحات میں دیکھیں گے کہ جذبہ محبت (عشق) کے مکمل اور آزادانہ اظہار کے لوازم کیا کیا ہیں اور یہ کہ نفسانی خواہش کی اصل ماہیت کیا ہے اور یہ کس طرح عاشق کی روحانی زندگی میں نقصان کا باعث بنتی ہے۔

نصب العین کیلئے محنت۔ (عبادت)

صحیح نصب العین کی محبت جس عمل اور کوشش پر ابھارتی ہے وہ داخلی بھی ہے اور خارجی

بھی۔ داخلی یا ذہنی عمل آیات و تماثل کے ذریعے خالق حقیقی کی صفات پر تدبر و تفکر کی شکل اختیار کرتا ہے۔ یہ تدبر و تفکر ہمیشہ ان صفات قدسیہ کی حمد و تعریف پر منتج ہوتا ہے اور جس قدر کوئی فرد جذبہ محبت اور خود شناسی کی دولت سے مالا مال ہے، اتنی ہی یہ حمد و تعریف گہری ہوتی ہے۔ صفات خداوندی کی وہ آیات و تماثل جو ان صفات پر غور و تفکر کا ذریعہ بنتی ہیں دو قسم کی ہیں۔

ا۔ وہ مظاہر قدرت جن میں خالق اپنی صفات کا اظہار کرتا ہے۔

ب۔ وہ الفاظ جو حق تعالیٰ کی صفات کو بیان کرتے ہیں۔

صفات حسن کا مطالعہ

ا۔ مظاہر قدرت کے ذریعے۔ (فکر) چونکہ عالم فطرت ذات خداوندی کی تخلیق ہے، اس لیے اس میں الٰہی صفات کا اظہار پایا جاتا ہے۔ آسمانوں، سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، زمین، وسیع و عریض سمندر، طلوع و غروب آفتاب کا منظر، بادل، دریا، ندیاں، ہوائیں، دن اور رات کا الٹ پھیر، موسموں کا تغیر و تبدل، حیوانی اور نباتاتی زندگی کی بے قلمونی و کثرت — غرضیکہ مادی، حیاتیاتی اور نفسیاتی سطح پر قدرت کے مختلف النوع شاہکار اپنی تمام تخلیق، انفرانش، رنگ و نسل کی تفریق، عادات و خصائل اور حرکات و افعال کے اعتبار سے اپنے خالق کی صفات کا اسی قدر مظہر ہیں جس طرح آرٹ کا ایک شاہ پارہ اپنے خالق آرٹسٹ کے اخلاقی اور ذہنی سانچے کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ان مظاہر کا بغور غور مطالعہ ایک صاحب ایمان شخص کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ خالق کی صفات پر زیادہ بہتر طور پر تدبر و تفکر اور ان کی تعریف و تحمید کر سکے۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿٢٠﴾ (الذّٰرِیّٰۃ: ۲۰)

اور یقین کرنے والوں کے لیے زمین میں (بہت سی) نشانیاں ہیں،

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالاٰخْتِلَافِ الْیَسْرِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّلْاُولٰٓئِی الّٰلْبَابِ ﴿٢١﴾ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ

اللَّهُ قَيَّامًا وَقَعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۙ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (الْعَمٰن: ۱۹۰، ۱۹۱)

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں (اُن) ہوشمند لوگوں کے لیے (بہت) نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور بیٹھتے، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں۔ (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) ”پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے، تو پاک ہے (اس سے کہ عبث کام کرے) پس تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

مطالعہ فطرت جسے اسلامی اصطلاحات میں ’فکر‘ کا نام دیا جاتا ہے، نہ صرف صحیح نصب العین کے لیے محبت کے اظہار اور اس کی نشوونما کا ذریعہ ہے، بلکہ تمام انسانوں میں اس محبت کا بیج بونے کا محرک بھی ہے۔ چونکہ ہم سب اپنی حیات دنیوی کے پورے عرصے میں اس فطرت کے درمیان رہتے ہیں اس لیے ہم میں ہر شخص مظاہر فطرت پر غور و تدبر اور اس کے حسن و جمال کی تعریف پر مجبور ہے۔ نتیجتاً ہم میں سے ہر فرد ایک خالق کی صنّاعی، عظمت، خوبی، حسن و جمال اور طاقت و قدرت کا احساس حاصل کرنے پر مجبور ہے چاہے ہم میں سے چند افراد میں یہ احساس قدرے دھندلا ہی کیوں نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارا عقیدہ اور مذہب خواہ کچھ ہی ہو، ہم اکثر فطرت کے بارے میں گفتگو ایک شخصی وجود کی حیثیت سے کرتے ہیں جس کا اپنا ایک کردار ہے اور جو اپنی جملہ کارگزاریوں کا شعور رکھتا ہے۔ اور ان افعال و وظائف کا کوئی مقصد و ہدف ہے۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ ہم میں اکثر اس احساسِ حُسْن کی اہمیت کا اندازہ نہیں لگاتے۔ ظاہر ہے کہ یہ احساس باقی تمام اقسامِ احساس کی طرح مناسب تفہیم اور اظہار کا متقاضی ہے۔ اور یہ لوگ اسی کا اہتمام نہیں کر پاتے۔

وَكَآيَةً مِّنْ آيَةِ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّونَ

عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ۝ (یوسف: ۱۰۵)

اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ گزرتے رہتے ہیں اور ذرا توجہ نہیں کرتے۔

اس کا عملاً نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ذہن کی شعوری سطح پر ہم سے اکثر لوگوں میں یہ احساس کھل دیا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ اس کی وجہ جواز ہماری فطرت کا حصہ ہے اور یہ ہماری ہستی کے طاقتور ترین جذبے سے نہ صرف مطابقت رکھتا ہے بلکہ اس کے اظہار کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔ یہ جذبہ کبھی بھی پورے طور سے ختم نہیں کیا جاسکتا۔ ہوتا یہ ہے کہ اسے وقتی طور پر صرف دبا کر غیر شعوری سطح پر دھکیل دیا جاتا ہے جہاں یہ ایک چنگاری کی صورت ہمیشہ محفوظ رہتا ہے۔ چنانچہ اس طرح حقیقی لکھ کا وجود ممکن نہیں۔ ایک ایسا شخص جسے عام طور پر لکھ کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، الفاظ اور عمل میں کھلے بندوں خدا کا انکار کرتا ہے لیکن چونکہ اس کا بھی فطرت سے ناگزیر تعلق ہے اس لیے اپنے نہاں خاندان میں وہ بھی اس کے حسن و جمال کا ایک گہرا مگر غیر شعوری احساس رکھتا ہے اور اس طرح حقیقتاً خدا کے وجود کا اعتراف کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب وہ نامساعد حالات اور تکالیف میں گھر جاتا ہے تو دعا اور مناجات ہی کا سہارا لیتا ہے۔

وَإِذَا عَشِيَٰ لَهُم مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ ۝

(لقمن: ۳۲)

اور جب ان پر (دریا کی) لہریں سانپانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اسے پکارنے لگتے ہیں۔ پھر جب وہ انہیں نجات دیکر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو بعض ہی انصاف پر قائم رہتے ہیں۔ اور ہماری نشانیوں سے وہی انکار کرتے ہیں جو عہد شکن (اور) ناشکرے ہیں۔

فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِكِ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ

فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ۝

(العنکبوت : ۶۵)

پھر جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے
اُس سے دعا مانگتے ہیں، پھر جب وہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو یکایک یہ
شرک کرنے لگتے ہیں۔

جب ایک رسول دنیا میں آتا ہے تو وہ کوئی ایسی بات نہیں کہتا جو انسانیت کیلئے
نئی یا اجنبی ہو، بلکہ اس احساسِ حُسن کو جگاتا اور زندہ کرتا ہے جو ان کے دلوں میں پہلے
ہی دبا ہوا موجود ہوتا ہے۔ وہ اس سے پہلے ہی واقف ہوتے ہیں۔ رسول و انبیاء اس
جذبے اور احساس کو مزید نکھارتے اور اس کے حقیقی مفہوم کو واضح کرتے ہیں۔ اور اس کے
اظہار کا صحیح طریقہ سکھاتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے پیغمبرانہ کام کا آغاز لوگوں کو مطالعہ فطرت
کی دعوت سے کرتے ہیں۔ وہ فطرت چہار اطراف سے ان کے مشاہدے میں آتی ہے اور
ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔ کیا یہ مظاہر فطرت اپنے اندر ایک خالق کی صفاتِ محبت،
حُسن، حکمت اور قدرت کے واضح دلائل نہیں رکھتے؟ اور کیا یہ انسان کو محبت، شکر اور
حمد و ثنا کے جذبات میں ایک خدائے مطلق کے سامنے جھکنے پر مجبور نہیں کرتے؟ حقیقت
یہ ہے کہ صرف ان اوصافِ حمیدہ سے متصف خدائے لایزال ہی انسانیت کا سچا نصاب
العین ہو سکتا ہے۔

وَلَمَّا سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ج فَأَتَى يُؤْفَكُونَ ۝

(العنکبوت : ۶۱)

اور اگر تم ان لوگوں سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے
اور سورج اور چاند کو کس نے ستر کر رکھا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے
پھر یہ کہہ رہے اُنٹائے جارہے ہیں؟

وَلَمَّا سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ

الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۖ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ
بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ (النکبوت: ۶۳)

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے ذریعہ سے
مردہ پڑی ہوئی زمین کو جلا اٹھایا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ کہو الحمد للہ،
مگر اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔

قُلْ مَنْ يُؤْزِقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمْ مَنْ يَمْلِكُ
السَّعِ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ
وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يَدْبُرُ الْأُمُورَ فَيَقُولُونَ
اللَّهُ ۚ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ فَذَلِكُمُ اللَّهُ الْحَقُّ ۚ
فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ ۚ فَأَنْتَ تُصِرُّونَ ۝

(یونس: ۳۱-۳۲)

ان سے پوچھو، کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یہ سماعت اور
بنیائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں؟ کون بے جان میں سے جاندار کو اور
جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے؟ کون اس نظم عالم کی تدبیر کر رہا ہے؟
وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ۔ کہو، پھر تم حقیقت کے خلاف چلنے سے، پرہیز نہیں
کرتے؟ تب تو یہی اللہ تمہارا حقیقی رب ہے۔ پھر حق کے بعد گمراہی کے
سوا اور کیا باقی رہ گیا؟ آخر یہ تم کدھر پھرتے جا رہے ہو؟

قرآن حکیم بار بار اور مختلف اسلوب میں بنی نوع انسان کو مظاہر فطرت کے
مشاہدہ و مطالعہ کی دعوت دیتا ہے اور ان کی توجہ اس حقیقت کی جانب مبذول کراتا ہے
کہ یہ مظاہر فطرت اپنے خالق کی صفات حسن و کمال کی کھلی کھلی نشانیاں ہیں۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ
وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ
النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ

الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ ص
وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِينَ السَّمَاءِ
وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ (البقرة : ۱۶۴)

یقیناً آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، اُن کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اپنے اسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں، اور اُن بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، ان لوگوں کے لیے بے شمار نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ
بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ
أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ
مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝

(الرّوم : ۲۰ ، ۲۱)

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر کھلیک تم بشر ہو کہ (زمین میں) پھیلنے چلے جا رہے ہو۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ فَتَنُفِّرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ
فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسْفًا فَنَرَى الْوَدْقَ

الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لِيَقُولَنَّ اللَّهُ ط قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ
بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ (العنكبوت: ۶۳)

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے ذریعہ سے
مردہ پڑی ہوئی زمین کو جلا اٹھایا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ کہو الحمد للہ،
مگر اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ
السَّعَى وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ
وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يَدَّبُرُ الْأُمُورَ فَيَقُولُونَ
اللَّهُ ۚ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ فَذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ الْحَقُّ ۚ
فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ ۚ فَأَنَّى تُصْرَفُونَ ۝

(یونس: ۳۱-۳۲)

ان سے پوچھو، کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یہ سماعت اور
بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں؟ کون بے جان میں سے جاندار کو اور
جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے؟ کون اس نظم عالم کی تدبیر کر رہا ہے؟
وہ ضرور کہیں کہ اللہ۔ کہو، پھر تم حقیقت کے خلاف چلنے سے) پرہیز نہیں
کرتے؟ تب تو یہی اللہ تمہارا حقیقی رب ہے۔ پھر حق کے بعد گمراہی کے
سوا اور کیا باقی رہ گیا؟ آخر یہ تم کدھر پھرتے جا رہے ہو؟

قرآن حکیم بار بار اور مختلف اسلوب میں بنی نوع انسان کو مظاہر فطرت کے
مشاہدہ و مطالعہ کی دعوت دیتا ہے اور ان کی توجہ اس حقیقت کی جانب مبذول کراتا ہے
کہ یہ مظاہر فطرت اپنے خالق کی صفات حسن و کمال کی کھلی کھلی نشانیاں ہیں۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ
وَالنَّهَارِ وَالْفَلَكَ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ
النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ

وَالْأَرْضُ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ ص
وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ وَالسَّحَابِ الْمُسْحَبِينَ السَّمَاءِ
وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ○ (البقرة : ۱۶۴)

یقیناً آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، اُن کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے زمین کو زندگی بخشا ہے اور اپنے اسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں، اور اُن بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تالابِ فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، ان لوگوں کے لیے بے شمار نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ
بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ ○ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ
أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ
مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ○

(الروم : ۲۰، ۲۱)

اور اس کی نشانیاں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر ایک تم بشر ہو کہ (زمین میں) پھیلتے چلے جا رہے ہو۔ اور اس کی نشانیاں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

اللَّهُ الَّذِي يُوسِّلُ الرِّيحَ فَتُشِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ
فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كَسَفًا فَتَرَى الْوَدُقَ